٥٧واں باب

دعوت کا نیا دور، نئے انداز

سُوۡرَۃُ الزُّخۡرُف

٨٨ دعوت کا نیا دور، نئے انداز

٨٨ قریش اور اہلِ ایمان اب کہاں کھڑے ہیں

٨٨ نئ حکمتِ عملی

٨٨ ٧٠: سُوۡرَۃُ الزُّخۡرُف [٤٣ — ٢٥:الیہ یرد]

٨٩ جاہلیت ماضی میں بھی ایسی ہی تھی

٩٠ کائنات کے نظام سے اُس کا خالق نظر آتا ہے

٩١ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی اولاد بناتے ہیں اور وہ بھی مونث

٩٢ اپنی بداعمالیوں کی مشیّت پر تہمت

٩٣ اپنی گم راہی پر باپ دادا سے دلیل

٩٤ نبی ﷺ کی مالی اور قبایلی حیثیت پر اعتراض

٩٦ اللہ کے نزدیک اس دنیا کی حیثیت

٩٩ عیسائیوں کے شرک سے قریش کی اپنے شرک کے لیے دلیل

١٠١ نبی واجب الاطاعت ہوتا ہے

١٠١ اے قریش کے لوگو، کیا نبی ﷺ کے قتل کا ارادہ ہے

١٠٢ دعوتِ توحید اور عقیدۂ شفاعت

۵۷واں باب

دعوت کا نیا دور، نئے انداز

قریش اور اہلِ ایمان اب کہاں کھڑے ہیں

حبش میں عزت واحترام کے ساتھ مہاجرین کے جگہ پا جانے نے اور سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد مکہ میں حالات تبدیل ہو گئے ہیں نئی بساط کے اصول جن پر قریش چار و ناچار راضی ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

- حرم میں نماز ادا کرنے اور قرآن سنانے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔
- سردارانِ قریش یہ جان گئے تھے کہ مار پیٹ اور تذلیل اب مسلمانوں کو نہیں پھیر سکتیں۔
- قرآن پر ممکنہ حد تک اعتراضات ہونے چاہییں، جس سے دلیل کی کاٹ کی جاسکے۔
- مسلمانوں کے ساتھ اگر ممکن ہو تو بقائے باہمی کی کوئی صورت نکالی جائے۔
- ممکنہ حد تک مسلمانوں کا معاشرتی اور معاشی مقاطعہ کیا جائے، شاید اس طرح دماغ درست ہوں۔
- آخری تدبیر یہی باقی بچتی ہے کہ اس نئے دین کے داعی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے۔

نئ حکمتِ عملی

اللہ رب العالمین نے براہِ راست اپنی رہ نمائی میں چلنے والی اس دعوتِ دین کے لیے مشرکین کی اس حکمتِ عملی strategy کے مقابلے میں آنے والے وقت میں مسلمانوں کو ایک بہت واضح لائحہ عمل line of action عطا فرمایا جو سُوْرَةُ الزُّخْرُف میں اپنی پوری وضاحت اور شان سے نظر آتا ہے، چشمِ بینا اور تفکر و تدبر چاہیے۔

نئ حکمت عملی کے مطابق یہ سورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے مجمع عام میں سنائی، اب جب کہ کانوں میں روئی کی پوئیاں ٹھونسنے کا زمانہ گزر چکا تھا تو کیوں تلاوتِ آیات کا فریضہ بر سرِ عام انجام نہ دیا جائے۔

۷۰: سُوْرَةُ الزُّخْرُف [۴۳ – ۲۵: الیہ یرد]

اس سورہ کے مضامین کی شہادت یہی ہے کہ یہ سُوْرَةُ الشُّوْرٰی کے ساتھ متصلاً نازل ہوئی ہو گی، یہی جگہ [شوریٰ کے متصل بعد] اس کو توقیفی ترتیب میں حاصل ہے، یہی جگہ اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منسوب ابنِ ضریح کی

معروف نزولی ترتیب میں ملی ہے۔

جاہلیت ماضی میں بھی ایسی ہی تھی

اس سورہ میں انبیائے سابقین کی دعوت کے ساتھ محمد ﷺ کی دعوت کی ہم آہنگی کو واضح کیا گیا ہے اور ساتھ ہی سابقہ ادوار میں دعوتِ حق کے منکرین نے جو روش اختیار کی تھی اُس روش کے ساتھ مکہ میں دعوت کی مخالفت کرنے والوں کی ذہنی یکسانیت کو بھی ابھار کر سامنے رکھا ہے، کہ جہالت میں آج یہ لوگ کچھ نئے نہیں ہر دور میں جاہل ایک ہی جیسے ہوتے ہیں! البتہ مکہ میں اس جہالت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ آج تک کسی دور میں کوئی جاہل، فرعون اور نمرود **ابوجہل** کا خطاب نہیں پاسکا تھا، خاتم النبیین ﷺ کے مقابلے میں ایک عظیم جاہل آیا تھا اور نبوت تو ختم ہوگئی [۶۵] مگر جہالت ہے کہ نئے نئے لباس میں روز ابھر کر آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سیرت کا مطالعہ جہالت سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت کے ساتھ، توفیق بھی عطا کرتا ہے اور عزم بھی۔

اس سورۃ میں بھرپور طریقے سے جاہلیت کے مارے انسانوں کے طرزِ فکر کا جائزہ لیا گیا ہے تاکہ قریش اپنے روّیے کے کھوکھلے پن کو محسوس کرلیں۔ کہا گیا ہے کہ کائنات کا نظام اُس خالق کی موجودگی اور اُلوہیت کی گواہی دے رہا ہے جس کے تم انکاری ہو۔ یہ تمھاری ذہن کی گندگی ہے کہ فرشتوں کو مونث سمجھتے ہو اور اُنھیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہو۔ یہ تمھاری اپنی بداعمالیوں پر کیسی بے جا دلیل ہے کہ ' اللہ کی مرضی اور پسند ہے جبھی تم برے کام کر رہے ہو' اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم ہونے کا ذریعہ تو اس کی کتابیں ہیں، نہ کہ تمھاری بداعمالیاں! اپنے باپ دادا کے طور طریقوں کو تم دلیل بناتے ہو، سوچو، تم تو اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کہتے ہو، وہ تمھارے جدّ اعلیٰ تو توحید کے عَلم بَردار تھے! تم نبی ﷺ کی مالی حیثیت پر اعتراض کرتے ہو تو سنو کہ فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح حقیر گمان کیا تھا، جان لو کہ اللہ کے نزدیک اس دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس طرح کے اُن کے فضول اعتراضات کے جوابات کے بعد اُن کے دلوں کی بات اُن پر کھول کے پوچھا گیا ہے، کیا ہمارے رسول کو قتل کا ارادہ ہے، تو سنو ہم نے بھی کچھ ارادہ کیا ہے!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یہ حٰمٓ ہے۔ یہ واضح کتاب شاھد [۶۶] ہے، اپنی سادہ بیانی، محکم دلائل اور حکمت و نصیحت

---

۶۵ مگر تعلیمِ کتاب و سنت، تزکیہ نفس اور اقامتِ دین کا کام صلحائے امت اور خادمانِ دینِ متین [وارثین نبی ﷺ] نے وفات النبیؐ سے تا ایں دم جاری رکھا ہے اور تا قیامت اللہ کی توفیق سے جاری رکھیں گے۔

۶۶ یہ قرآن کی قرآنِ عظیم پر قسم ہے، یہ وہ چیز ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے۔

سے پُر باتوں سے کہ یہ کتابُ اللہ ہے؛ ہم نے اسے قرآنِ عربی بنایا ہے تاکہ اے سخن ورو! [یعنی اہلِ مکہ] تم اسے با آسانی [67] سمجھ سکو۔ بلاشبہ یہ عالی شان پُر حکمت اُمّ الکتاب کا ایک حصہ ہے جو ہمارے پاس (لوحِ محفوظ میں) ہے۔ .... [مفہوم آیات ۱تا۴]

کہا جا رہا ہے کہ تم لوگ دعوتِ حق کا انکار اور تکبر کا اظہار کرتے ہو، اپنی شرارتوں کے بل پر یہ چاہتے ہو کہ وحی کا نزول روک دیا جائے، مگر اللہ کی یہ سنّت کبھی نہیں رہی کہ اشرار کی وجہ سے نصیحت کرنا چھوڑ دیں، بلکہ ان ظالموں کو ہلاک کر دیا ہے جو اس کی ہدایت کا راستہ روک کر کھڑے ہوئے تھے، اِن عذاب رسیدہ قوموں کی مثالوں میں سامانِ عبرت اور تکذیب پر زجر و توبیخ ہے۔ اے سردارانِ مکہ! کیا تم بھی ویسی ہی ہلاکت چاہتے ہو؟ سنو! اللہ اب بھی وہی کچھ کرے گا۔

اب کیا تمھاری کج بحثیوں اور تمھاری جانب سے حد درجے اسراف اور اس کتاب کی بے حد ناقدری کے سبب ہم تم سے مایوس ہو کر تمھیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں۔ سنو! گزشتہ قوموں میں ہم نے کتنے ہی نبی بھیجے مگر ہمیشہ یہی ہوا کہ جب بھی کوئی نبی آیا تو لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ یہ اہلِ مکہ کیا چیز ہیں، جو لوگ ان سے بہت زیادہ زور آور تھے انھیں ہم نے ہلاک کر دیا، پچھلی قوموں کی مثالیں سامنے ہیں۔ .... [مفہوم آیات ۵تا۸]

کائنات کے نظام میں اُس کا خالق نظر آتا ہے

اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کی نشانیوں کو توحید اور آخرت پر دلیل بناتے ہیں کہ دیکھو اُس نے پہاڑی سلسلوں کے درمیان رستے نکالے تاکہ تم اُس کی خلاقی میں پوشیدہ حکمت کو دیکھ کر اُسے پہچان سکو۔ اِسی طرح وہ ایک حساب سے ضرورت کے مطابق پانی برساتا ہے، جس کے ذریعے زمین کو سختی سے بچا کر زراعت کے قابل بناتا ہے۔

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ بے اختیار یہی کہیں گے کہ یقیناً انھیں تو ایک زبردست طاقت و قدرت والی علیم و خبیر ہستی نے پیدا کیا ہے۔ وہی ذات جس نے تمھارے لیے اس زمین کو رہنے بسنے کے قابل بنایا، اور اس میں تمھاری مسافرت کے لیے رستے نکالے تاکہ تم بآسانی اپنی منزلوں کو پاسکو۔ وہی ایک طاقت و قدرت والا علیم و خبیر اِلٰہ واحد ہے جو پورے ایک صحیح اندازے اور حساب سے آسمان سے پانی اُتارتا ہے تاکہ خشک مُردہ زمین کو سرسبزی سے ایک زندگی بخش دے، سنو! بالکل اسی طرح، ایک روز تم بھی قبروں سے نکالے جاؤ

67 تم اس کے الفاظ و معانی کو، اِن کے آسان اور اذہان سے قریب ہونے کی بنا پر سمجھ سکو۔

گے۔ اور وہ ذات ہے جس نے تمام نوع بہ نوع جوڑے پیدا کیے اور بادبانی اور دخانی کشتیوں اور چوپایوں کو تمھارے لیے سواری بنایا تاکہ جب تم ان پر سوار ہو اور عازمِ سفر ہونے لگو تو اپنے رب کے اِن انعامات پر احسان مندی اور تشکر کا اپنی زبانوں سے اظہار کرتے ہوئے کہو کہ وہ ذات ہر طرح کے شرک کی تہمت سے پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہماری خدمت میں لگا دیا ورنہ ہم توانھیں قابو میں لانے والے نہ تھے، اور بلاشبہ ہم اپنے رب ہی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود لوگوں نے اس ذات کے تخلیق کردہ بندوں میں سے بعض کو اِلٰہ بنانے کے لیے اس کا [یعنی اللہ کا] جزو قرار دے دیا، حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے۔ [مفہوم آیات ۹ تا ۱۵]

مشرکین فرشتوں کو اللہ کی اولاد بناتے ہیں اور وہ بھی مونث

مشرکین، بندوں کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ اور اولاد، وہ بھی بیٹیاں، جنھیں خود اپنے لیے ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ فرشتوں کو انھوں نے دیویاں قرار دے رکھا ہے۔ ان کے بت عورتوں کی شکل کے بنا رکھے ہیں۔ انھیں زنانہ کپڑے اور زیور پہناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان ہی سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ آخر انھیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے عورتیں ہیں؟

کیا اللہ کے حصے میں اُس کی اپنی مخلوق میں سے تو بیٹیاں آئیں اور بیٹے اُس نے تمھیں دے دیے؟ اور جس کو [یعنی بیٹی کو] تم اللہ کی پسند ٹھہراتے ہو جب اِن لوگوں میں سے کسی کو اپنے گھر میں اُس کی ولادت کی خوش خبری ملتی ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے کہ وہ [۶۸] پیدا ہوئی ہے جو زیوروں میں پالی جاتی ہے اور مفاخرت [۶۹] میں بے زبان، کیسا عجیب معاملہ ہے!! انھوں نے فرشتوں کو، جو رحمان کے فرماں بردار

---

۶۸ اہلِ مکہ کی اس بد عقیدگی کا شکوہ اللہ تعالیٰ چند ماہ پہلے نازل ہونے والی دو سورتوں سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰت آیت ۱۴۹، سُوْرَۃُ النَّجْم آیت ۱۹ میں کر چکے ہیں، جن کا پچھلی جلد سوم میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۹ اُس وقت مکہ میں رائج تمدن میں شخصیتوں اور قبیلوں کی شان اسلحہ اور اُس کا استعمال تھا، جو مردوں کا زیور گنا جاتا تھا، جو عورتوں بچوں، زیورات، جایداد اور مویشیوں کی حفاظت میں کام آتا تھا۔ بیٹے اس لیے پسند کیے جاتے تھے کہ وہ اسلحہ اور اس کے استعمال کنندہ ہوتے تھے، جب کہ بیٹیوں کی حفاظت اور اُن کے لیے زیور کی فراہمی ایک بوجھ ہوتی تھی۔ مردوں کی بڑھ چڑھ کر مفاخرت اور سیاست میں لفاظیاں معاشرے میں اُن کو قیادت کا موقع مہیا کرتی تھی اور اس صلاحیت میں بھی بیٹیاں کم زور ہوتی تھیں۔ اگر آج بھی انسانی معاشروں پر غور

کارکنان بندے ہیں بیٹیاں قرار دیا ہے۔ کیا یہ لوگ اُن کی پیدایش کے وقت موجود تھے کہ فرشتوں کے جسم کی ساخت انھوں نے دیکھی ہے؟ ان کی یہ جھوٹی گواہی [70] [false statement] لکھ لی جائے گی اور انھیں اس کی جواب دہی بھگتنا ہو گی۔......................... [مفہوم آیات ۱۶ تا ۱۹]

اپنی بداعمالیوں کی مشیّت پر تہمت

اگلی آیات میں کفار کا اپنے اعمال اور فسق و فجور پر اللہ کی مشیّت اور تقدیر کو الزام دینے کا تذکرہ ہے۔ منکرین کہتے ہیں کہ "اللہ نے ہمارے لیے جو کچھ بھی پسند کیا وہ ہم مجبوراً کر رہے ہیں"۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم ہونے کا ذریعہ تو اس کی کتابیں ہیں نہ کہ دنیا کے اس کار گاہِ امتحان میں مشیت کی کارفرمائی؛ مشیّت کے تحت تو ایک بت پرستی ہی نہیں، چوری، زنا، ڈاکہ، قتل، سب ہی کچھ ہو رہا ہے۔ اس دلیل سے تو ہر برائی جائز ہے!

فرشتوں کی عبادت کرنے کے لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیّت کو دلیل بنایا۔ یہ عقلی اور شرعی طور پر فی نفسہٖ باطل دلیل ہے۔ رہا شرعی طور پر مشیّت الٰہی کو دلیل بنانا تو آپ اگلی آیات میں دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے مشیّت کی دلیل کو باطل ٹھہرادیا ہے۔ مشرکین اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے سوا کسی نے مشیّت الٰہی کو دلیل نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حجت قایم کردی ہے، اب بندوں کے لیے کوئی حجت باقی نہیں رہی۔

اے محمدؐ تمھارے مخاطبین یہ سردارانِ قریش کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا کہ ہم ان فرشتوں کی عبادت و بندگی نہ کریں تو بھلا ہم کیوں کر اِن کو پوجتے؟ اِن کو خود اپنے رویوں کی حقیقت [71] کچھ نہیں معلوم، یہ محض خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

کریں تو انسانی جبلتیں ویسی ہی ہیں جیسی ماضی میں تھیں۔

۷۰ جھوٹی اس طرح کہ فرشتے بیٹیاں نہیں ہیں، ان کو بیٹی گردانننے والوں نے نہ اُن کی جسمانی ساخت دیکھی ہے اور نہ ہی اُن کی پیدایش کے وقت وہ موجود تھے۔ اس بکواس کی پاداش میں اُنھیں عذاب سے دوچار ہونا ہو گا۔

۷۱ یہ حقیقت کہ کن معاملات میں کہاں تک اللہ کا جبر کار فرما ہے اور انسان کتنا مجبور ہے؟ اور یہ کہ اپنے معاملات کے فیصلے میں انسان کس حد تک اختیار رکھتا ہے جس کی بنیاد پر اپنے اعمال کے لیے جزا و سزا کا سزاوار ہو گا۔

کیا ہم نے ان قریشِ مکہ کو اس قرآن سے پہلے بھی کوئی کتاب دی تھی جس میں فرشتوں کی اس پوجا پاٹ کے لیے یہ کوئی دلیل [۷۲] پاتے ہوں؟ ایسا کچھ بھی نہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس دین پر پایا، اُنھی نقوش قدم پر ہم گام زن ہیں۔ .... [مفہوم آیات ۲۰ تا ۲۲]

جب مشرکینِ مکہ سے پوچھا جاتا کہ اپنے شرک کے لیے تمھارے پاس اس مشیّت کی دلیل کے علاوہ کوئی اور وجہ بھی ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ باپ دادا کے زمانے سے یوں ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ حالاں کہ ابراہیم علیہ السلام، جن کی اولاد ہونے پر ہی ان کے ساری چودھراہٹ تھی، وہ تو باپ دادا کے دین سے بے زار ہو کر گھر سے نکل گئے تھے۔

اپنی گم راہی پر باپ دادا سے دلیل

اسی سلسلہ کلام میں اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے بارے میں آگاہ فرماتے ہیں جن سے یہ مشرکین اور اہلِ کتاب اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، ان میں سے ہر ایک اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چل رہا ہے۔ جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنی اولاد کو کلمۂ اخلاص [اعلانِ توحید] کی نصیحت و وصیت کی تھی اور آپ کی اولاد میں سے بعض جیسے اسحاقؑ اور یعقوبؑ نے بعض دوسرے نسبی بیٹوں کو اسی کلمہ اخلاص کی وصیت کی جیساکہ ہم دیکھیں گے سات سال بعد جب سورہ بقرہ نازل ہو گی تو اُس میں اس کا تذکرہ ملے گا۔ یہ کلمہ اخلاص ابراہیمؑ کی اولاد میں ہمیشہ موجود رہا یہاں تک کہ خوش حالی اور سرکشی اُن پر غالب آگئی۔

اے محمدؐ بالکل اسی طرح، تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے لوگوں کو اُن کی غلط روش پر، اللہ اور اُس کی پکڑ سے ڈرانے والا کوئی بھی نبی بھیجا تو وہاں کے خوش حال، فیصلہ ساز لوگوں [۷۳] نے اُس سے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ

۷۲ قرآن کا یہ سوال غیر اللہ کی پوجا پر مشرکین کو لاجواب کرتا تھا، آج اس کتاب کو تسلیم کرنے کے باوجود طرح طرح کے جان دار اور بے جانوں کے سامنے مراسمِ عبودیت بجا لانے پر قرآن، نام نہاد مسلمانوں سے سراپا سوال ہے؟

۷۳ بستی کے وہ لوگ جو نعمتوں سے نوازے گئے تھے اور وہ اشراف جن کو مال و دولت یا اقتدار و عزت و جاہ نے سرکش اور مغرور بنا دیا تھا، وہ حق کے مقابلے میں تکبر کا رویہ رکھے ہوئے تھے۔ اِن لوگوں کا یہ روّیہ کوئی نئی بات نہیں تھا، تاریخ کے ہر دور میں اس طبقے نے یہی کام کیا ہے۔

دادا کو ایک دین اور ملت پر پایا ہے اور ہم تو بس انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ اُن کے اِس نامعقول جواب پر ہر نبی نے یہی کہا کہ اگر میں اُس سے زیادہ بہتر رستے کی طرف رہ نمائی کروں تو کیا تم پھر بھی اُسی باپ دادا کی ڈگر پر چلتے رہو گے ؟ افسوس! ساری ہی قوموں نے اپنے اپنے زمانے میں نبیوں کو ایک یہی جواب دیا کہ جس دین کی طرف بلانے کے لیے تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے انکاری ہیں۔ آخر کار ہمارے انتقام کا کوڑا اُن پر برس پڑا دیکھو! کیسا انجام ہوا انکاریوں کا!

ایسے ہی ایک موقع کی ہم تمھیں یاد دہانی کراتے ہیں جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ [74] اور اپنی قوم سے کہا کہ تم جن، جن کو پوجتے ہو میں اُن سے بے زار ہوں۔ میں تو صرف اسی کو پوجتا ہوں۔ ہاں، جس نے مجھے پیدا کیا، پس ہر معاملے میں وہی میری رہ نمائی کرنے والا ہے۔ اور ابراہیمؑ نے یہی صحیح روّیہ [راہِ توحید] اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑا تا کہ وہ لوگ اسی طریقے کی طرف ہر معاملے میں رہ نمائی کے لیے رجوع کریں۔............[مفہوم آیات ۲۳ تا ۲۸]

پھر یوں ہوا کہ میں [یعنی اللہ] مکہ میں آباد اولادِ ابراہیم کو نسلًا بعد نسلٍ عمدہ متاعِ حیات اور مختلف انواع کی شہوات سے نوازتا رہا اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ اُس کی اولاد [مکہ میں مقیم بنی اسماعیل] دوسروں کی بندگی کرنے لگی۔ یہاں تک کہ اب اُن کے پاس حق کو کھول کھول کر بیان کرنے والا رسول [یعنی محمدؐ بن عبداللہ] آگیا ہے۔ مگر جب وہ حق ان کے پاس آیا تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے [75]، ہم اس کے انکاری ہیں............[مفہوم آیات ۲۹ تا ۳۰]

نبی ﷺ کی مالی اور قبایلی حیثیت پر اعتراض

محمد ﷺ کی رسالت کو ماننے میں سردارانِ مکہ کو یہ عذر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مال و دولت اور سرداری تو ہے ہی نہیں۔ اہلِ مکہ کا یہ کہنا کوئی نیا نہیں فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح حقیر گمان کیا تھا اور کہا تھا: آسمان کا بادشاہ اگر مجھ زمین کے بادشاہ کے پاس کسی کو بھیجتا تو اسے شاہانہ انداز سے سونے کے کنگن پہنا کر بھیجتا، فرشتوں کی فوج بھی ساتھ ہوتی۔ یہ غریب، مسکین کیوں کر آسمان کے بادشاہ کا نمایندہ ہو سکتا ہے؟ بڑائی مجھے حاصل

---

۷۴ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ابراہیمؑ جن کی یہ اہلِ مکہ اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں، وہ اپنے باپ کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

۷۵ اشارہ ہے کوہِ صفا پر دعوتِ عام کے بعد پہلے حج کا موقع آنے سے قبل دار لندوہ میں سردارانِ قریش کی میٹنگ کا جس میں یہ متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ حاجیوں کے سامنے سارے قریش یک زبان ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو جادو کا شاخسانہ قرار دیں گے۔ [دیکھیے کاروانِ نبوت، جلد دوم، ۱۴واں باب، صفحات ۹۶ تا ۱۰۲]

ہے، مصر کی سلطنت اور دریائے نیل کی نہریں میری ماتحتی میں ہیں۔ یہ شخص میرے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے اس کے پاس نہ حکومت ہے اور نہ ہی دولت! اہلِ مکہ کہتے تھے کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنانا چاہتا تو ہمارے دونوں شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی کو بناتا۔ اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں ان سے سوال فرماتے ہیں کہ تم نبی بنانے کے ٹھیکے دار ہو کہ جس کو چاہو نبوت عطا کرو اور جس کو چاہو محروم کرو۔

یہاں انسانوں کی ناقص عقل کا ایک اور خلجان اللہ تبارک و تعالیٰ دور فرماتے ہیں، وہ یہ کہ دنیا میں بندوں کے درمیان اُس کے فضل [مال و دولت، عقل و فہم، عزت و مرتبہ، حسن و صحت وغیرہ] کی تقسیم میں مساوات نہیں ہے، کیوں؟ فرمایا جارہا ہے اِس لیے کہ بندوں کی ایک دوسرے پر فضیلت میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ اس دارالامتحان یا اِس کارگاہِ حیات میں کاروبارِ دنیا چلتا رہے، لوگ زراعت، صنعت و حرفت اور امورِ حکومت میں ایک دوسرے سے خدمت لیں اور ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اگر اُس کے فضل کے لحاظ سے تمام لوگ یکساں مراتب کے ہوتے تو وہ ایک دوسرے کے محتاج نہ ہوتے؛ یوں اس صورتِ حال میں سارا کاروبارِ زندگی ٹھپ ہو جاتا کہ اُس کو چلانے کے لیے لوگ نہ مل پاتے: نہ کرنل اور بریگیڈیئر کہ ہر ایک جنرل ہوتا، نہ وزیر کہ ہر ایک بادشاہ ہوتا، نہ معمار کہ ہر ایک محل کی ملکیت کا طالب ہوتا، بناتا کون؟ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ یہ دنیا کا معاملہ بس عارضی اور بے حقیقت ہے، نیکی کی توفیق، دنیا کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور اے نادانو تم نبوت کے لیے یہ اعتراض کرتے ہو کہ کسی بڑے مال دار، سردار کو کیوں نہ ملی تو، بصیرت سے کام لو نبی تو اس سارے دنیاوی فضل سے زیادہ کچھ رکھنے والا ہے، بڑے مال دار سردار کی کیا اوقات ہے؟

> اب اہلِ مکہ اپنے فاسد دماغ کے مطابق یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قرآن بنو اسماعیل کے اِن دو شہروں[76] کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوال یہ ہے کہ کیا تیرے رب کی رحمت[77] کی تقسیم کے یہ لوگ ٹھیکے دار بن گئے ہیں؟ دنیا کی زندگی کا سامانِ معیشت تو ہم نے اس طرح تقسیم کیا ہے کہ کچھ لوگوں کا معیار دوسرے لوگوں سے بہت بلند ہے تاکہ یہ باہم ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ اور تیرے رب کی جانب سے سرفرازی نبوت اور توفیقِ ایمان کی رحمت اس دولت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے جو اِن کے بڑے لوگ جمع کر رہے ہیں۔ .... [مفہوم آیات ۳۱ تا ۳۲]

۷۶ دو شہروں سے مراد حجاز میں قریش کی اکثریت کے دو شہر مکہ اور طائف ہیں۔
۷۷ رحمت سے مراد نبوت ہے جس کی نبی ﷺ کو عطا پر یہ ناراضگی یا بے اطمینانی کا اظہار کر رہے ہیں۔

اللہ کے نزدیک اس دنیا کی حیثیت

اگلی آیات میں مالک الملک، نبی ﷺ کے ساتھ کھڑے باطل کا مقابلہ کرنے والے اصحاب کی حوصلہ افزائی اور اطمینان کے لیے کفار کے دنیاوی مال و مرتبے کی حقیقت بیان کر رہا ہے: کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے مصالح کی خاطر بندوں کو بعض دنیاوی امور سے محروم رکھتا ہے۔ دنیا کا سارا مال و متاع اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ دنیا کا مال و متاع، عارضی ہے۔

یہ دولتِ دنیا تو اتنی حقیر ہے کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ کفر کی طرف مائل ہو جائیں گے تو اللہ سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں، اور ان کی سیڑھیاں جن سے وہ منزلیں چڑھتے ہیں، اور ان کے دروازے، اور ان کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں، سب چاندی اور سونے کے بنوا دیتے۔ مال و دولت تو محض چند روزہ حیاتِ دنیا کی متاع ہے، اور آخرت تیرے رب کے پاس متقیوں کے لیے ہے۔ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ .... [مفہوم آیات ۳۳تا۳۵]

جو بھی رحمان کی یاد [ذکر واذکار، تلاوت و تعمیلِ قرآن] سے غفلت برتتا ہے، ہم اس پر ایک سرکش شیطان مسلّط کر دیتے ہیں اور وہ اُس کا ہم دم ساتھی بن جاتا ہے۔ اور وہ شیاطین اُس کو راہِ راست پر آنے اور چلنے سے روکتے ہیں، شیطان کے فریب میں مبتلا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ مگر انجامِ کار جب یہ شخص قیامت کے دن ہمارے ہاں پہنچے گا تو اپنے ساتھی شیطان سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کے درمیان دوری جیسی دوری ہوتی۔ پس شیطان تو بہت ہی برا ساتھی ہے۔ اس وقت ان بہکنے اور بہکانے والے لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا، اور اب دونوں ہی عذاب میں یکساں مبتلا رہو، پس بہکنے والے کو کیا فایدہ کہ بہکانے والا بھی عذاب سہہ رہا ہے! .... [مفہوم آیات ۳۶تا۳۹]

نبی ﷺ کی جان کے درپے سردارانِ قریش کو سناتے ہوئے، آپؐ سے فرمایا گیا ہے کہ تم خواہ زندہ رہو یا نہ رہو، ان ظالموں کو ہم سزا دے کر رہیں گے۔

اے نبی تم نے بلاشبہ ابلاغ کا حق ادا کر دیا، اِن کے ایمان نہ لانے کے غم میں جان نہ گھلاؤ، کیا تم اِن بہروں کو حق کی بات سناؤ گے؟ یا ایسے اندھوں کو راہ ہدایت دکھاؤ گے؟ جو کھُلی گم راہی میں بہک رہے ہیں۔ یہ تمھیں مارنے یا تمھارے مارے جانے کے متمنی ہیں، سو اب جان لیں کہ خواہ ہم تمھیں موت دیں، یا اِن کا وہ انجام دیکھنے کے لیے

تمھیں زندہ رکھیں............ جس کی وعید ہم سناتے رہے ہیں، وہ تو بس اب مقدر ہے، ہمیں ان کو سزا دینی ہے، سو دینی ہے، ہم ان پر پوری قدرت رکھتے ہیں [۷۸]۔

اے محمدؐ! یہ ہے آپ کا حال اور ان مکذبین کا حال، پس تم اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رہو جو وحی تم پر کی جارہی ہے، بلاشبہ تم سیدھے راستے پر ہو۔ بالیقین یہ قرآن تمھارے لیے اور تمھاری قوم کے لیے ایک یاددہانی ہے اور عن قریب تم سب کو جواب دینا ہوگا کہ کیوں کر اس نصیحت کا حق ادا کیا [۷۹]؟............ پوچھ لو اُن سب سے جن کو رسول بنا کر تم سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے رحمان، اِلٰہ واحد کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ جن کی عبادت کی جاسکے؟.. [مفہوم آیات ۴۰تا۴۵]

اور بے شک ہم نے موسیٰؑ کو اُس کی صداقت پر گواہی دینے والی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا، موسیٰؑ نے وہاں پہنچ کر اُنھیں بتایا کہ میں ربّ العالمین کا بھیجا ہوا نُمایندہ ہوں اور اس نے اپنے

دعوے کی گواہی میں جوں ہی ہماری عطاکردہ نشانیاں [۸۰] اُن کے سامنے رکھیں تو وہ ہنسی مذاق میں بات کو اُڑانے

---

۷۸ یہاں قرآن کے قاری کے ذہن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے واضح الفاظ میں جس عذاب کی دھمکی کفارِ مکہ کو دی گئی آخر وہ کب آیا؟ یا اس واضح دھمکی کے بعد سابقہ مغضوب و معتوب قوموں کی مانند اہلِ مکہ کو کیوں ہلاک نہیں کیا گیا؟ اس استفسار کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس پوری سورۃ، سورہ 'زخرف' اور اس زمانے میں نازل ہونے والے قرآن کے تمام اجزا پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ یہ دھمکی اور اس سے ملتی جلتی دھمکیاں جہاں بھی ہیں اس تذکیر کے ساتھ ہیں کہ اگر بات نہ مانی تو عذاب واقع ہوگا، چوں کہ انجامِ کار فتحِ مکہ کے بعد سب لوگ ایمان لے آئے، عذاب ٹل گیا۔ اس استفسار کے جواب میں دوسری بات غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے، اگرچہ تذکیر عموماً سارے انسانوں اور خصوصاً اہلِ مکہ کے لیے عام تھی مگر سارا مجادلہ اور مباحثہ سردارانِ قریش کے ساتھ تھا، جو ہر روز ایک نیا اعتراض جڑتے، مذاق اُڑاتے، الزام لگاتے اور نت نئی سازشیں کرتے تھے؛ مخالفین کی صفِ اول کے یہ تمام 'لیڈران گرامی' میدانِ بدر میں کھیت رہے، ذلیل و رسوا ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور یہ دھمکی پوری ہوگئی۔

۷۹ یعنی آیا تم نے اس کو قایم کر کے رخصت حاصل کی اور اس سے فایدہ اُٹھایا، یا تم نے اس کو قایم نہیں کیا تو یہ تمھارے خلاف حجت ہو اور تمھاری طرف سے اس نعمت کی ناسپاسی گردانی جائے۔

۸۰ یعنی یدِ بیضاء اور عصائے موسیٰ

لگے۔ ہم اُن کو ایک پر ایک پہلی سے بڑھ کر ناقابلِ انکار نشانی دکھاتے چلے گئے مگر اُنھوں نے بات مان کر نہ دی تو ہم نے ان کو مصیبتوں والے مختلف عذابوں [۸۱] میں گھیر لیا شاید کہ وہ انکار کی روش سے ایمان کی جانب پلٹ آئیں۔ ہر نئے عذاب میں گرفتار ہونے پر وہ موسیٰؑ کے پاس پہنچ جاتے اور کہتے، اے جادو گر [۸۲]، اپنے رب کی طرف سے جو مرتبہ اور نمایندگی تجھے ملی ہے اس کی بنا پر ہمارے لیے مصیبت کو ٹالنے کی التجا کر [۸۳]، مصیبت ٹلنے پر ہم ضرور تیری پیش کردہ ہدایت کو قبول کرلیں گے۔ مگر جب ہم اُن پر سے مصیبت ٹال دیتے تو وہ اپنا قول و قرار توڑ دیتے۔ [مفہوم آیات ۴۶تا۵۰]

موسیٰؑ کی پیہم دعوتِ توحید اور اعلانِ رسالت سے فرعون زچ ہو گیا، اس دعوت سے اُس نے اپنے اقتدار کے لیے ایک واضح رقابت محسوس کی تو اُس نے اپنی قوم کو پکارا کہ لوگو! کیا مصر پر میرا اقتدار نہیں ہے؟ یہ نہریں اور پانی کی تقسیم میرے زیرِ انتظام نہیں ہے؟ کیا تم لوگوں کو میری شان اور میرا اقتدار نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ حقیر شخص جو اچھی تقریر [۸۴] بھی نہیں کر سکتا!! اگر یہ سچ مچ سارے جہانوں کے مالک کا بھیجا ہوا رسول ہے تو کیوں نہ اس کو سونے کے کنگن دیے گئے یا پھر کم از کم فرشتوں کا ایک باڈی گارڈ دستہ ہی ساتھ ہوتا۔.....[مفہوم آیات ۵۱تا۵۳]

اس نے اپنی قوم کو بے وقوف جانا اور اُن بے وقوفوں نے بھی اسی کی بات مانی۔ درحقیقت یہ قوم فاسق لوگوں کی قوم تھی، انجام کار جب انھوں نے اپنے کرتوتوں سے ہمارے غصے کو بھڑکا دیا تو ہم نے ان سے بھرپور انتقام لیا اور اُن سب کو اکٹھا سمندر میں غرق کر دیا اور آنے والے زمانوں کے لیے ایک داستانِ ماضی اور لوگوں کے لیے نمونہ عبرت بنا کر چھوڑ دیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ۔..............[مفہوم آیات ۵۴تا۵۶]

---

۸۱ خون، ٹڈی دل اور جوئیں پڑنا وغیرہ وغیرہ کے عذاب، ایمان تو وہ نہیں لائے لیکن اُن پر حجت تمام ہوئی۔

۸۲ اُس دور میں اہلِ مصر کا یہ طرزِ تخاطب تھا۔ ممکن ہے کہ موسیٰؑ سے یہ خطاب استہزا اور تمسخر کے انداز میں ہو مگر چوں کہ مصیبت میں مدد طلب کرنے آتے تھے اس لیے بعید ہے کہ ایسا ہو، لہٰذا، قرینِ قیاس یہ ہے کہ اُنھوں نے موسیٰؑ کو ایسے خطاب کیا جس طرح وہ اپنے اہلِ علم کو خطاب کرتے تھے یعنی جادو گروں کو۔

۸۳ بالکل اسی طرح نبی ﷺ کے پاس سالِ گزشتہ [سن ۵ نبوی میں] قریش قحط کے زمانے میں دعا کی درخواست لے کر آئے تھے۔

۸۴ موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العالمین کی حکمت سے تقریر یا اپنی بات مہارت اور روانی سے نہیں کر پاتے تھے، کیوں کہ وہ فصیح اللسان نہیں تھے، اور یہ کوئی عیب نہیں ہے، نبی ہر عیب سے پاک ہوتا ہے۔

عیسائیوں کے شرک سے قریش کی اپنے شرک کے لیے دلیل

جیسا کہ اس سورہ پر گفتگو کے آغاز میں ہم نے یہ بتایا کہ یہ سُوْرَۃُ الزُّخْرُف نبی ﷺ نے مشرکین کے مجمع عام میں سنائی تھی۔ کفار مکہ کے سامنے جب سابق انبیاء کی جانب سے توحید کی تعلیم کا تذکرہ ہوا تواُنھوں نے نبی ﷺ کی دعوت پر [اس سورہ کی گزری ہوئی آیات پر] دو باتیں اعتراض کے طور پر رکھیں، پہلی یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ کیسی تعلیم تھی کی عیسائی اُن کی عبادت و بندگی کرتے ہیں؟ دوسری بات یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک نبی ہو کر اگر معبود بن سکتے ہیں تو پھر بھی فرشتوں کی مانند نور کے بنے ہوئے تو نہیں ہو سکتے، ہم اگر فرشتوں کو پوجتے ہیں تو عیسیٰؑ سے بہتر مخلوق کو پوجتے ہیں!!

جواباً پہلی بات یہ فرمائی جارہی ہے کہ ابن مریمؑ تو بس ہمارا ایک بندہ تھا معبود ہر گز نہیں تھا۔ اُس کا بن باپ پیدا ہونا، اور خرقِ عادات کام کہ وہ مٹی کا پرندہ بناتے اور اس پر پھونک مارتے تو وہ جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا، پیدائشی اندھے کو بینائی عطا کر دیتے، کوڑھ کے مریض کو تندرست کر دیتے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم سے مُردہ انسان کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ تمام کام اللہ کی عطا کی ہوئی قدرت کا مظاہرہ تھا نہ کہ اُن کی اپنی الوہیت کا اظہار۔ یہ معجزے اُن کو اس لیے عطا ہوئے تھے کہ بنی اسرائیل کو اُن کی نبوت کے یقین آنے کے ساتھ قیامت پر پختہ یقین دلائیں کہ اللہ کی قدرت ہر کام کے لیے کافی ہے، مُردوں کو یومِ قیامت زندہ کرنا کوئی بڑا کام نہیں۔ یہ معجزے اُن کے معبود ہونے کی ہر گز دلیل نہیں ہیں۔ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں اور تم میری عبادت کرو۔ ان کی تعلیم تو وہی تھی جو دنیا کے ہر نبی نے دی کہ **مالکم من الہ غیرہ** یعنی: اللہ کے علاوہ تمھارا کوئی الٰہ نہیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے تو کہا: **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾** پھر کفار مکہ کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ قرآن یہ نہیں کہہ رہا کہ کسی نبی کی امت نے شرک نہیں کیا، بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ خود کسی نبی نے شرک کی تعلیم نہیں دی؟[85]

دوسری بات کا جواب یہ دیا گیا کہ مٹی سے پیدا ہونا اور نور سے پیدا ہونا کوئی برتری اور کم تری کی دلیل نہیں کہ تم اِس بات کو فرشتوں کی پرستش کا بہانہ بناؤ کہ وہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ فرمایا گیا کہ اللہ چاہے تو تم میں سے

۸۵ بعینہ آج جو نبی ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے والی امت میں شرک کی گرم بازاری ہے، وہ اس امت کا جرم ہے نہ کہ قرآن کی آیات یا نبی ﷺ کی تعلیمات کا!

فرشتے پیدا کردے تو کیا تم معبود بن جاؤ گے، مخلوق ہی رہو گے۔[86]

اور جب توحید کے علم برداروں کے تذکرے کے دوران ابن مریم کا ذکر ہوتا ہے تو تمھاری قوم کے لوگ شور مچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ جن کو نصاریٰ نے معبود[87] بنایا ہے۔ یہ بات وہ تمھارے سامنے محض بحث برائے بحث کے پیش کرتے ہیں، سچی اور اصلی بات یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو۔ وہ ابن مریمؑ تو بس ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے اپنا فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنا دیا۔ ہماری قدرت تو اتنی ہے کہ ہم چاہیں تو تمھارے اندر سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین میں خلافت کریں۔[مفہوم آیات ۵۷ تا ۶۰] اور عیسیٰ کی پیدایش اور اُس کے معجزات تو دراصل قیامت کی ایسی نشانیاں[88] ہیں جو اللہ کے لیے قیامت کو قایم کرنے کی قدرت پر گواہی دیتی ہیں [نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر!]، پس اے اہلِ مکہ تم اس میں شک نہ کرو اور میری [یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی] فرماں برداری[89] کرو، یہی سیدھا راستہ ہے، وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ شیطان تم کو اس سے روکنے نہ پائے، وہ تمھارا حقیقی دشمن ہے۔ .....

---

۸۶ یہی بات آج امتِ مسلمہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے خاکی یا نوری ہونے کے بارے میں تنازعے کی ہے۔ لیکن اگر بالفرض کوئی نوری بھی ہے تو معبود تو پھر بھی نہیں بن سکتا!

۸۷ نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ کر معبودیت کے منصب پر فائز کیا تھا، جب کہ امتِ مسلمہ کے نادانوں نے تو کہا کہ آپ تو نور من نور اللہ گویا آپؐ اللہ ہی کا ٹکڑا ہیں، اور اللہ ہی ہیں [نعوذ باللہ] اور کسی نے کہا:

جو عرش بریں تھا خدا ہو کر ــ زمیں پر اُتر آیا مصطفیٰ ہو کر [نعوذ باللہ]

۸۸ عیسیٰ علیہ السلام کا وجود قیامت کی دلیل ہے۔ وہ ہستی جو عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ ہستی جو اپنے نبی کو مُردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دے سکتی ہے وہ یقیناً ایک روز سارے مُردوں کو زندہ بھی کر سکتی ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانے میں آنا خود قیامت کے قریب آجانے کی نشانی بن گیا ہے۔

۸۹ سلسلہ کلام دلیل ہے کہ یہاں 'میری' کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے نہ کہ اللہ کی طرف۔ رسول کی فرماں برداری کا مطالبہ جائز ہے۔ رسول چوں کہ اللہ کا نمائندہ ہے لہٰذا اُس کی فرماں برداری اللہ کی فرماں برداری ہے۔ ہاں عبادت صرف اللہ کا حق ہے، رسول کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ رسول کی فرماں برداری ہی وہ مشکل ترین چیز تھی جس کی بنا پر سردارانِ قریش ایمان لانے سے کتراتے تھے۔ یہی قریش کی مخالفت کی اصل وجہ تھی۔ [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تدبرِ قرآن، جلد ہفتم صفحہ ۲۴۴، تفسیر آیت ۶۱، الزخرف]

....[مفہوم آیات ۶۱تا۶۲]

نبی واجب الاطاعت ہوتا ہے

اب اگلی آیات میں ایک اکیلے اللہ کی عبادت کا حکم ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی توحید کا بھی اعلان ہے اور ساتھ یہ بھی کہ نبی اللہ کے اذن سے اپنی اطاعت کا بھی مطالبہ کرتا ہے اور یہ بات بہت واضح ہے کہ واجب الاتباع ہونے کے اعزاز کے باوجود نبی معبود نہیں ہے وہ محض ایک اللہ کا بندہ ہی رہتا ہے، وہ اللہ کا بیٹا یا اُس کے نور کا ٹکڑا نہیں ہوتا، الٰہ بس ایک ہی ہوتا ہے اور وہ تین میں سے ایک نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی دی جا رہی ہے کہ بس صرف اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

اور جب عیسیٰؑ نا قابلِ انکار نشانیوں [۹۰] کے ساتھ آیا تھا تو اس نے بنی اسرائیل کو یہی دعوت دی تھی کہ میں تمہارے پاس حکمت [نبوت اور اُن امور کا علم] لے کر آیا ہوں تاکہ اُن بعض باتوں [۹۱] کا فیصلہ کر دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ بلاشبہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی وہی ہے۔ اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ مگر ان واضح ہدایات کے باوجود مختلف گروہوں نے اپنی انا اور مفادات کی بنا پر آپس میں اختلاف کیا، پس ایک دردناک دن کا عذاب تباہی کا باعث ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم [شرک، نافرمانی، بدکرداری اور کسی بھی نوع کا گناہ یا زیادتی] کیا۔.........................[مفہوم آیات ۶۳تا۶۵]

اے قریش کے لوگو، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ ہے

یہ خطبہ [سُوۡرَةُ الزُّخۡرُف] اپنے اختتام کی جانب بڑھ رہا ہے اور منکرین و مخالفین کو صاف صاف تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم نے ہمارے نبی کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تو ہم بھی پھر ایک فیصلہ کن قدم اٹھائیں گے۔

یہ تکذیب کرنے والے کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا یہ توقع رکھتے ہیں کہ قیامت اچانک ان پر ٹوٹ پڑے

اور انھیں خبر بھی نہ ہو؟ اس دن سوائے اللہ سے ڈرتے ہوئے پرہیزگاری کی زندگی گزارنے والوں کے، سارے

---

۹۰ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات: مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا، پیدائشی اندھے کو بینا کر دینا اور برص کے مریض کو شفایاب کرنا۔

۹۱ عیسیٰ علیہ السلام کے کارہائے نبوت میں یہ بات شامل تھی کہ آپ بنی اسرائیل کے درمیان جن باتوں میں اختلاف در پیش تھا اُن میں صحیح مسلے کو سمجھا دیں اور شکوک و شبہات کو زائل کر دیں۔

دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔.......................................[مفہوم آیات ۶۶تا۶۷]

اس دن اہلِ ایمان صالح بندوں سے جو مطیع فرمان بن کر رہے تھے کہا جائے گا کہ اے میرے بندو، آج تمھیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔ تم اور تمھاری بیویوں کے لیے ہمیشہ شاداب رہنے والے گھنے باغات ہیں، داخل ہو جاؤ ان جنتوں میں، تمھیں تمھارے وہم و گمان کی حدوں سے زیادہ شاد و آباد اور خوش کام رکھا جائے گا۔ ان کے آگے سونے کی پلیٹیں ہوں گی اور سونے کے جام و ساغر گردش کریں گے اور نظر کو بھی مزہ دینے والی وہ ہر دل پسند چیز ،جو چاہیں گے وہاں موجود ہو گی۔ کہا جائے گا: یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، تم اب یہاں ہمیشہ رہو گے۔ یہ سب جزا ہے اُن اعمال کی جو تم دنیا میں کرتے رہے تھے۔ یہاں تمھارے کھانے کے لیے نوع بہ نوع پھل اور میوے ہیں۔.......................................[مفہوم آیات ۶۸تا۷۳]

بے شک مجرمین [مشرک اور ہماری آیات کے منکر کافر] تو عذاب جہنم میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے، کبھی اُس کی شدت میں کمی نہ آئے گی اور وہ اس میں ہر بھلائی سے مایوس پڑے رہیں گے۔ اُن پر یہ ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ وہ پکاریں گے: اے جہنم کے داروغہ 'مالک' اپنے رب سے کہو کہ ہمارا کام ہی تمام کر دے تو اچھا ہے۔ وہ [داروغہ جہنم، مالک] جواب دے گا، تمھیں اسی حال میں پڑے رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن کے افعال پر ایک غضب ناک آواز بلند ہو گی: ہم تمھارے پاس حق لے کر آئے تھے مگر اکثر لوگ حق سے بے زار اور متنفر ہی رہے!.......................................[مفہوم آیات ۷۴تا۷۸]

کیا اِن لوگوں [قریش کے سرداروں] نے ہمارے نبی کے خلاف کوئی آخری اقدام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ اچھا تو پھر ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کر لیتے ہیں۔ کیا اِن جاہلوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم ان کی رازدارانہ گفتگو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے؟ نہ صرف یہ کہ ہم سن رہے ہیں، بلکہ اُن کی نگہداشت پر مامور ہمارے کارندے [فرشتے] اُن کے قریب ہی اِن کے اعمال کو لکھ رہے ہیں۔.......................................[مفہوم آیات ۷۹تا۸۰]

دعوتِ توحید اور عقیدۂ شفاعت

کفار کے تمام شرکیہ عقاید پر تنقید کرنے اور اُن کو نہایت معقول دلایل سے رد کر دینے کے بعد اب وضاحت سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ اس بات کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ میری عبادت یہ ہے کہ اُس نے جس چیز کا اثبات کیا ہے میں اُس کا اثبات کرتا ہوں اور اُس نے جس

چیز کی نفی کی ہے میں اُس کی نفی کرتا ہوں، پس یہ قولی اور اعتقادی عبادت ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اگر یہ بات حق ہوتی کہ اللہ کی کوئی اولاد ہے تو میں پہلا شخص ہوتا جو اس کا اثبات کرتا اور عبادت کرتا، لہٰذا اس سے اور عقل و نقل کے اعتبار سے مشرکین کے دعوے کا بطلان اور فساد معلوم ہو گیا۔ فرمایا جارہا ہے کہ نہ آسمان وزمین کے خالق ومالک الگ الگ ہیں، نہ اللہ کی ایسی کوئی محبوب ہستی ہے جو شفاعت کر کے جان بوجھ کر گناہ کرنے والوں کو اللہ کی پکڑ اور سزا سے بچا سکے۔

کہہ دو کہ اگر حقیقت میں رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو اُس کی عبادت کرنے والا سب سے پہلا میں ہی ہوتا۔ آسمانوں اور زمین کا رب، عرش کا مالک، ان سارے شرکیہ اتہامات سے پاک ہے جو یہ لوگ اس پر لگاتے ہیں۔ اچھا، انھیں باتیں بنانے اور ہنسی دل لگی میں مصروف رہنے دو، یہاں تک کہ یہ قیامت کا وہ دن دیکھ لیں جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے [اور یہ اُس کے انکاری ہیں]۔ وہی جو آسمان میں ایک اِلٰہ ہے زمین میں بھی اِلٰہ ہے اور وہی حکیم و علیم ہے

بہت ہی بابرکت [۹۲] ہے وہ ذات جس کے اختیار و قدرت میں زمین اور آسمانوں اور اِن کے درمیان پائی جانے والی ہر چیز ہے۔ اور صرف وہی ہے جو قیامت واقع ہونے کے وقت کا علم رکھتا ہے، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ اس ایک ذات کو چھوڑ کر لوگ جس جس کو استعانت اور مشکل کشائی کے لیے پکارتے ہیں وہ استعانت اور مشکل کشائی تو کجا روزِ قیامت کسی سفارش و شفاعت تک کا اختیار نہیں رکھتے، مگر وہ جو علم کی بنا پر حق کی گواہی دیں۔ اور اگر تم ان مشرکین سے [توحید و ربوبیت کے حوالے سے] پوچھو کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو بے اختیار کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں غیر اللہ سے مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے دعائیں مانگتے بھٹک رہے ہیں، روزِ قیامت ہمارے رسول اور نگرانی پر مقرر فرشتے گواہی دیں گے کہ اے رب، یہ وہ لوگ ہیں جو مان کر نہیں دیتے تھے۔

---

۹۲ تبارک کے معانی ہیں کہ وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے، اُس کی بھلائیاں بے شمار، اُس کی صفات لامحدود اور اُس کی سلطنت بہت عظیم ہے۔

اچھا، اے نبی، ان کو نظر انداز کرو [۹۳] اور کہو کہ تمھیں سلام ہے۔ عن قریب یہ جان لیں گے کہ کیا صحیح تھا اور کیا غلط! فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ .... [مفہوم آیات ۸۱تا۸۹]

☆☆☆☆☆

۹۳ نبی ﷺ کی برپا کردہ دعوتی مہم اور اُس کے اتار چڑھاؤ کا گزشتہ پانچ برسوں میں نازل ہونے والے قرآن کے تناظر میں جن لوگوں نے بغور مطالعہ کیا ہے، وہ اب اس آیۃ میں قرآن کے اندازِ تخاطب سے جان جائیں گے کہ قریشِ مکہ پر اتمام حجت ہو رہی ہے، یاد دہانی کے انداز میں دعوت کا کام اور ان کے اوندھے سیدھے سوالوں اور اعتراضات کے ضروری جوابات دیے جاتے رہیں گے مگر اُن کا انداز یہی ہو گا کہ بات پہنچائی جا چکی ہے، مان لو وگرنہ عذاب سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہو۔